THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

"مطلقہ، معتدہ اور بچوں کے نفقہ کے اسباب اور معاصر عدالتی رجحانات: بدائع الصنائع اور پاکستانی قوانین کا تقابلی جائزہ"

GROUNDS FOR MAINTENANCE OF DIVORCED WOMEN, UDDAH, AND CHILDREN: A COMPARATIVE STUDY OF BADA'I AL-SANA'I AND PAKISTANI LEGAL FRAMEWORK

Sabira Begum,
Ph.D Scholar Department of Islamic Studies, AWKUM Mardan
Email: saudkhan43213@gmail.com
Dr. Gulzar Ali,
Assistant Professor Department of Islamic Studies ،Abdul Wali Khan University Mardan ، gulzar@awkum.edu.pk

Abstract
This research presents a comprehensive theological and comparative analysis of the miracles and extraordinary events narrated in Surah Al-Kahf, focusing on the exegetical methodologies of Maulana Abdul Majid Daryabadi in Tafsir Majidi and Sir Syed Ahmad Khan in Tafsir-ul-Quran. The study highlights the fundamental intellectual clash between traditional Islamic scholasticism (Ilm al-Kalam) and nineteenth-century modernist rationalism. By examining key Quranic narratives—including the prolonged sleep of the Companions of the Cave, the esoteric encounter between Prophet Moses and Khidr, and the expeditions of Dhul-Qarnayn—the paper explores how classical tradition defends the metaphysical realities of the Quran, whereas the modernist approach attempts to demystify these events to align them strictly with the empirical laws of nature .The findings demonstrate that Sir Syed Ahmad Khan's hyper-rationalist approach often leads to metaphorical reinterpretations that significantly alter the apparent and established meanings of the Quranic text, reducing divine miracles to mere historical or socio-political occurrences. In contrast, Maulana Daryabadi's methodology successfully balances reason with revelation, asserting that divine omnipotence transcends human logic and natural laws. The research concludes that while Sir Syed's exegesis was an apologetic response to the dominance of Western science, Tafsir Majidi provides a far more textually coherent, theologically robust, and academically rigorous defense of the Quranic worldview and the reality of miracles.

***Keywords**: Quran, Exegesis, Theology, Miracles, Rationalism, Tradition, Kahf, Daryabadi, Syed, Modernism.*

قرآنِ مجید کی تفہیم اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے کے لیے علمِ تفسیر ہمیشہ سے مسلمانوں کا مرکزی علمی میدان رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں 19 ویں اور 20 ویں صدی کے دوران جب فکر و نظر میں تبدیلیاں آئیں، تو تفسیری منہج میں دو بڑے رجحانات سامنے آئے۔ ایک وہ جو روایت اور سلف کے طریقہ کار پر سختی سے قائم رہا، اور دوسرا وہ جو جدید عقلیت، سائنس اور فطرت کے اصولوں کو قرآن فہمی کی کسوٹی مانتا تھا۔ مولانا عبد الماجد دریابادی کی "تفسیرِ ماجدی" اور سر سید احمد خان کی "تفسیر القرآن" انہی دو فکری دھاروں کی بہترین نمائندگی کرتی ہیں۔

سورۃ الکہف کا تفسیری و کلامی پس منظر

سورۃ الکہف مکی دور کی ان سورتوں میں سے ہے جو عقائدِ اسلامیہ کے دفاع کے لیے نہایت اہم ہے۔ اس سورت کا موضوع بنیادی طور پر توحید، رسالت اور آخرت کی تصدیق ہے، جن کا انکار مکہ کے مشرکین اور یہودی سوالات کے ذریعے کر رہے تھے۔ اس سورت میں مذکور چار اہم قصص (اصحابِ کہف، باغ والے، موسیٰ و خضر، اور ذوالقرنین) محض تاریخی واقعات نہیں، بلکہ ان میں کلامی مباحث کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ ان قصص میں معجزات، غیبی امور، تقدیرِ الٰہی، اور کائنات کے نظام پر بحث کی گئی ہے جو عقل اور وحی کے مابین تعلق کو واضح کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے کلامی اور عقلی پہلوؤں سے ان قصص کو سمجھنے کے لیے اپنی پوری علمی صلاحیتیں صرف کر دی ہیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

تفسیرِ ماجدی اور تفسیر القرآن (سرسید) کے تفسیری منہج کا تعارف

مولانا عبد الماجد دریابادی کی "تفسیرِ ماجدی" روایتی اور کلامی منہج کی پاسبان ہے۔ مولانا نے اس تفسیر میں قرآن کی تشریح کے لیے روایتی تفاسیر (جیسے ابن کثیر، بیضاوی) کے ساتھ ساتھ تاریخی اور بائبل کے حوالوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا منہج عقائدِ اسلامیہ کا دفاع کرنا اور روایتی تفسیری ورثے کی حفاظت کرنا ہے۔

اس کے برعکس، سرسید احمد خان کی "تفسیر القرآن" جدیدیت، عقلیت اور سائنسی مزاج کی علمبردار ہے۔ سرسید کا بنیادی فلسفہ "فطرت" ہے، جسے وہ اللہ کا قانون مانتے ہیں۔ اسی فلسفے کی روشنی میں وہ قرآن میں مذکور معجزات اور خارقِ عادت واقعات کی ایسی توجیہات پیش کرتے ہیں جو سائنسی اصولوں سے متصادم نہ ہوں۔ ان کے نزدیک قرآن کی تعلیمات عقلِ سلیم اور مشاہدے کے مطابق ہونی چاہئیں۔

اس تحقیق کی ضرورت وافادیت

اس تحقیقی مطالعے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ آج کا قاری ایک طرف روایتی تفسیری ذخیرے اور دوسری طرف جدید سائنسی ذہنیت کے درمیان کھڑا ہے۔ یہ تقابلی مطالعہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ قرآنی معجزات اور کلامی مباحث کی تعبیر میں "اعتدال" کا راستہ کیا ہے۔ اس تحقیق کی افادیت یہ ہے کہ یہ علمِ کلام کے طلبا و محققین کو دونوں مفسرین کے استدلال کی طاقت اور ان کی حدود کا ادراک کرواتی ہے۔ یہ مقالہ محض دو تفاسیر کا موازنہ نہیں بلکہ قرآن فہمی کے ان دو مختلف زاویوں کو سمجھنے کی کوشش ہے، جس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کس طرح عقل و نقل کے درمیان توازن قائم کر کے انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

قصہِ اصحابِ کہف

قرآن مجید کی سورۃ الکہف میں اصحابِ کہف کا واقعہ (آیات 9 تا 26) ایک نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ قصہ دراصل ان سوالات کا جواب تھا جو مکہ کے مشرکین نے مدینہ کے یہودیوں کے مشورے سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کو آزمانے کے لیے پوچھے تھے۔ اسلامی تاریخ اور علم کلام میں اس واقعے کی حیثیت محض ایک داستان کی نہیں، بلکہ یہ توحید پر استقامت اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی ایک عظیم نشانی ہے۔ تاہم، جدیدیت کے زیرِ اثر انیسویں صدی میں جب قرآنی واقعات کی عقلی توجیہات کا رجحان پیدا ہوا، تو اس واقعے کی تشریح میں دو متضاد کلامی مکاتبِ فکر سامنے آئے۔ ایک طرف مولانا عبد الماجد دریابادی کی "تفسیر ماجدی" ہے جو اسے ایک خرقِ عادت (معجزہ) تسلیم کرتی ہے، اور دوسری طرف سرسید احمد خان کی "تفسیر القرآن" ہے جو اسے محض ایک سائنسی اور تاریخی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے۔

واقعہ کا معجزاتی پہلو

تفسیر ماجدی اور دیگر روایتی تفاسیر (جیسے ابن کثیر اور بیضاوی) کے مطابق اصحابِ کہف کا واقعہ ایک برحق تاریخی معجزہ تھا۔ اس واقعے کا مرکز وہ چند توحید پرست نوجوان تھے جنہوں نے ظالم اور مشرک رومن بادشاہ دقیانوس، دورِ حکومت 249-251 عیسوی) کے جبر سے بچنے اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایک غار (کہف) میں پناہ لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاصہ سے انہیں صدیوں تک ایک طویل نیند سلا دیا۔

قرآن مجید اس واقعے کی معجزاتی حیثیت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا"[1]

(ترجمہ: کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے؟)

تفسیر ماجدی کے مطابق اس آیت میں "آیات" (نشانیاں) کا لفظ صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کوئی عام واقعہ نہیں تھا، بلکہ اللہ کی قدرت کا ایک ایسا ظہور تھا جو انسانی عقل اور طبعی قوانین سے بالاتر تھا۔ اسی طرح قرآن مجید نے ان کی نیند کی مدت نہایت باریک بینی کے ساتھ بیان کی ہے:

"وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا"[2]

(ترجمہ: اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو (سال) اور زیادہ کیے)

مولانا عبد الماجد دریابادی اور علامہ ابن کثیر کے نزدیک اس آیت میں شمسی اور قمری سالوں کے فرق کو معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر سو شمسی سالوں میں تقریباً تین قمری سالوں کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس طرح تین سو شمسی سال، تین سو نو (309) قمری سال بنتے ہیں۔[3] یہ قرآنی تصریح اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی نیند

کی مدت کوئی مبالغہ یا محاورہ نہیں، بلکہ ایک حتمی ریاضیاتی اور معجزاتی حقیقت ہے۔ فقہاء نے اسی واقعے سے یہ کلامی و فقہی اصول بھی اخذ کیا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے شر سے دین بچانے کے لیے فرار اختیار کرنا اور گوشہ نشینی جائز ہے۔[4]

واقعہ کی سائنسی اور تاریخی تعبیر

اس روایتی اور معجزاتی موقف کے بالکل برعکس، سرسید احمد خان اپنی "تفسیر القرآن" میں اس واقعے کو خرقِ عادت یا معجزہ ماننے سے یکسر انکار کرتے ہیں۔ سرسید کا بنیادی تفسیری منہج یہ ہے کہ کائنات میں اللہ کے بنائے ہوئے طبعی قوانین کبھی نہیں ٹوٹتے، لہٰذا کوئی بھی ایسا واقعہ جو سائنس اور طبعی قوانین کے خلاف ہو، اسے استعارہ یا تمثیل سمجھا جائے گا۔

سرسید کے نزدیک اصحابِ کہف کا واقعہ ایک عام تاریخی واقعہ تھا جس میں کچھ نوجوان ظالم بادشاہ سے چھپ کر غار میں روپوش ہو گئے تھے۔ صدیوں بعد جب یہ قصہ مشہور ہوا تو داستان گویوں نے اسے مبالغہ آرائی سے معجزہ بنا دیا۔ قرآن مجید میں جہاں ان کی نیند کا ذکر آیا ہے: "فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا"، سرسید اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ "ضربنا علی آذانھم" کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے انہیں طبعی طور پر 309 سال تک سلائے رکھا، بلکہ عربی زبان میں یہ ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے "وہ بیرونی دنیا کی ہر خبر سے بے خبر ہو گئے"۔[5]

مدتِ نیند کے حوالے سے بھی سرسید 309 سال کی مدت کو حقیقی ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ عدد محض تمثیلی یا کہانی کا حصہ ہے جسے قرآن نے لوگوں کے مروجہ عقیدے کے طور پر نقل کیا ہے، نہ کہ ایک تاریخی حقیقت کے طور پر۔ مزید برآں، سرسید اس واقعے کو غیر معمولی ثابت کرنے والی تمام احادیث (جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سے مروی روایات) کو ضعیف اور ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایات بعد میں گھڑی گئی ہیں تاکہ اس واقعے کو زبردستی معجزے کا رنگ دیا جا سکے۔[6]

تقابلی تجزیہ: معجزے پر ایمان اور اس کی عقلی تاویل کے مابین کشمکش

تفسیر ماجدی اور تفسیر القرآن (سرسید) کے اس تقابلی مطالعے سے ایک گہری کلامی اور منہجی کشمکش سامنے آتی ہے۔ یہ کشمکش دراصل "قدرتِ الٰہیہ" اور "طبعی قوانین کی حتمیت" کے مابین ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کا استدلال خالصتاً اسلامی علم الکلام کے اشعری و ماتریدی اصولوں پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ خالقِ اسباب ہے اور وہ جب چاہے اپنے بنائے ہوئے طبعی قوانین (جیسے عمر کا بڑھنا، بھوک پیاس لگنا) کو معطل کر سکتا ہے۔ اصحابِ کہف کا 309 سال تک بغیر کھائے پیے زندہ سلامت سونا اسی قدرتِ کاملہ کا مظہر اور عقلاً ممکن ہے۔

دوسری طرف سرسید احمد خان کا سارا زور عقلیت پرستی (Rationalism) پر ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ معجزات کا روایتی تصور سائنسی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ قرآنی آیات کی ایسی لسانی اور محاوراتی تاویلات کرتے ہیں جس سے واقعے کا مافوق الفطرت پہلو ختم ہو جائے اور وہ ایک عام تاریخی واقعہ بن جائے۔

یہاں یہ علمی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تفسیر ماجدی قرآنی الفاظ کو ان کے ظاہری اور حقیقی معنوں میں لیتی ہے، جبکہ سرسید اپنے خود ساختہ نیچری فلسفے کو بچانے کے لیے قرآنی نصوص کو مجاز، تمثیل اور محاورے (Metaphorical meaning) کا رنگ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو بسا اوقات قرآنی اسلوب اور متواتر تاریخی حقائق کے صریح خلاف معلوم ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ

سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت خضر (علیہ السلام) کی ملاقات کا واقعہ محض ایک تاریخی سفر نہیں، بلکہ یہ علمِ شریعت (ظاہری احکام) اور علمِ تکوین (باطنی اور غیبی حقائق) کے مابین فرق کو واضح کرنے کا ایک عظیم قرآنی باب ہے۔ اس واقعے میں تین بنیادی پیش آتی ہیں: کشتی میں سوراخ کرنا، ایک نوجوان لڑکے کا قتل، اور گرتی ہوئی دیوار کی بلا معاوضہ تعمیر۔ ان واقعات کی تفہیم و تعبیر میں علمائے تفسیر کے ہاں دو واضح رجحانات پائے جاتے ہیں۔ تفسیرِ ماجدی اسے مافوق الفطرت اور "علمِ لدنی" کا مظہر مانتی ہے، جبکہ سرسید احمد خان اسے خالصتاً عقلی اور معاشرتی سانچے میں پیش کرتے ہیں۔

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

کشتی میں سوراخ، لڑکے کا قتل اور دیوار کی درستگی پر تفسیرِ ماجدی کا روایتی کلامی موقف

مولانا عبد الماجد دریابادی کا تفسیری منہج اہلِ سنت والجماعت کے روایتی عقائد پر استوار ہے۔ ان کے نزدیک حضرت خضر (علیہ السلام) اللہ کے ایک برگزیدہ بندے (نبی یا ولی) تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اپنا خاص غیبی علم عطا کیا تھا، جسے قرآن نے "علمِ لدنی" (وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا)[7] سے تعبیر کیا ہے۔

تفسیرِ ماجدی کے مطابق حضرت خضرؑ کے تینوں اقدامات ظاہری اسباب اور انسانی عقل سے ماوراء تھے، جو انہوں نے محض اللہ کے حکم سے انجام دیے:

1. کشتی میں سوراخ: حضرت خضرؑ نے غریب ملاحوں کی کشتی کو عیب دار اس لیے کیا تا کہ وہ آگے موجود ایک ظالم بادشاہ کی غصب (چھین لینے) سے بچ جائے۔ مولانا دریابادی یہاں فقہی نکتہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ظاہری طور پر کشتی کے مالک ہونے کے باوجود قرآن نے انہیں "مساکین" کہا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آلاتِ پیشہ و تجارت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔[8]
2. لڑکے کا قتل: یہ واقعہ انسانی عقل کے لیے سب سے بڑا امتحان تھا۔ تفسیرِ ماجدی کے مطابق حضرت خضرؑ کو اللہ کی طرف سے یقینی علم (مکاشفہ) دیا گیا تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کفر و سرکشی اختیار کرے گا اور اپنے نیک والدین کو بھی گمراہ کر دے گا۔ قرآن کے لفظ "فَخَشِينَا" کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں کہ "خشیت یہاں خوف واندیشہ کے معنی میں نہیں بلکہ علم و یقین کے معنی میں ہے۔"[9] یعنی یہ اقدام کسی گمان پر نہیں، بلکہ اللہ کے حتمی علم پر مبنی تھا۔
3. دیوار کی تعمیر: بستی والوں کی بے رخی کے باوجود دیوار اس لیے تعمیر کی گئی کیونکہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا، جس کی حفاظت اللہ کو مقصود تھی۔

سرسید احمد خان کی عقلی توجیہات

سرسید احمد خان کا تفسیری نقطۂ نظر ہر قسم کے مافوق الفطرت یا معجزاتی عناصر کی نفی کرتا ہے۔ ان کے نزدیک کائنات کے تمام امور "قانونِ فطرت" (Law of Nature) کے تحت چلتے ہیں۔ لہٰذا وہ حضرت خضرؑ کو کوئی نبی، فرشتہ یا غیبی ہستی ماننے کے بجائے محض ایک "عام مسافر، راستے کا واقف کار یا تجربہ کار راہنما" قرار دیتے ہیں۔ سرسید کے مطابق "علمِ لدنی" سے مراد کوئی غیبی علم نہیں، بلکہ وہ بصیرت اور تجربہ ہے جو انسان کو زندگی کے حالات سکھاتے ہیں۔[10]

سرسید ان تینوں واقعات کی خالصتاً معاشرتی اور عقلی تاویل پیش کرتے ہیں:

- کشتی کا واقعہ: سرسید کے نزدیک یہ کوئی غیبی الہام نہیں تھا۔ خضر چونکہ اس علاقے کے مقامی اور تجربہ کار آدمی تھے، اس لیے وہ ظالم بادشاہ کے ہتھکنڈوں سے واقف تھے۔ انہوں نے غریبوں کا معاشی تحفظ کرنے کے لیے ایک عام انسانی اور ہمدردانہ قدم اٹھایا اور کشتی کو عارضی نقصان پہنچا دیا۔
- لڑکے کا قتل: سرسید اس واقعے کی ماورائی حیثیت کا شدت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ شریعت اور عقل کسی کو مستقبل کے جرائم کی بنیاد پر پیشگی قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ سرسید مختلف حوالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ لڑکا دراصل ایک بالغ، سرکش اور عادی ڈاکو تھا جو اپنے جرائم کی وجہ سے "واجب القتل" ہو چکا تھا۔ خضر نے اسے معاشرتی امن کی خاطر ایک مجرم کے طور پر قتل کیا۔[11]
- دیوار کی تعمیر: سرسید کے نزدیک دیوار کے نیچے کوئی سونے چاندی کا خزانہ مدفون نہیں تھا، بلکہ ایک تختی تھی جس پر کچھ اخلاقی نصیحتیں درج تھیں۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کے لیے دیوار سیدھی کرنا ایک عام انسان کا فلاحی اور سماجی کام تھا، جس میں کسی غیبی طاقت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔[12]

تقابلی جائزہ: خارقِ عادت واقعات کو تسلیم کرنے یا انہیں فطری قانون کے تابع ماننے کا علمی تنازعہ

تفسیرِ ماجدی اور تفسیر القرآن کے اس موازنے سے علمِ کلام کا ایک بنیادی تنازعہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ یہ دراصل وحی کی حتمیت بمقابلہ عقل کی محدودیت کا مباحثہ ہے۔

روایتی کلامی موقف (تفسیر ماجدی) کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تکوینی (Divine Decree) انسانی عقل اور ظاہری شریعت کی پابند نہیں ہے۔ حضرت خضرؑ کا علم شریعت کا علم نہیں تھا، بلکہ تکوین کا علم تھا جو براہِ راست مشیتِ الٰہی سے جڑا ہوا تھا۔ لہٰذا، ان کے افعال کو عام انسانی اخلاقیات یا عقلی پیمانوں پر پرکھنا قرآنی منشا کے خلاف ہے۔ معجزات اور خارقِ عادت واقعات پر من و عن ایمان لانا اسلامی عقیدے کا بنیادی جزو ہے۔

دوسری جانب، سرسید احمد خان کا منہج ہر اس قرآنی بیان کو استعارے، مجاز یا عام انسانی مشاہدے میں تبدیل کر دیتا ہے جو جدید سائنسی اور عقلی معیارات پر پورا نہ اترتا ہو۔ سرسید کی عقلی توجیہات بظاہر جدید ذہن کو مطمئن کرنے کی ایک کوشش ہیں، لیکن اس عمل میں وہ اکثر قرآنی نصوص کے ظاہری اور بدیہی معانی کو تبدیل

کر دیتے ہیں۔ ان کی تاویلات سے قرآنی واقعے کا وہ بنیادی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جس میں حضرت موسیٰؑ (جن کے پاس ظاہری شریعت کا سب سے بڑا علم تھا) کو یہ سکھانا مقصود تھا کہ اللہ کا علم انسانی احاطہِ فہم سے کتنا وسیع اور ماوراء ہے۔

مختصراً یہ کہ مولانا عبد الماجد دریابادی نے اس واقعے کی غیبی اور اعجازانہ حیثیت کو تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، جبکہ سر سید احمد خان نے اسے فطری قوانین کے تابع کر کے محض ایک اخلاقی اور سماجی حکایت بنا دیا ہے۔

ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کا فتنہ

قرآنِ مجید کی سورۃ الکہف میں ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کا واقعہ (آیات 83 تا 99) علم کلام، تاریخ اور جغرافیہ کے تقابلی مطالعے کے لیے ایک انتہائی زرخیز میدان فراہم کرتا ہے۔ اس واقعے میں ایک ایسے عادل اور موحد بادشاہ کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر اقتدار اور ہر قسم کے اسباب فراہم کیے۔ اس مہم کے دوران اس کا سامنا ایک ایسی فتنہ پرور قوم سے ہوا جس کے شر کو روکنے کے لیے اس نے لوہے اور تانبے کی ایک عظیم الشان دیوار تعمیر کی۔ اس واقعے کی حقیقی نوعیت، ذوالقرنین کی تاریخی شناخت اور یاجوج وماجوج کی حقیقت کے بارے میں مولانا عبد الماجد دریابادی اور سر سید احمد خان کے تفسیری مناہج میں ایک گہرا کلامی اور فکری تضاد پایا جاتا ہے۔

تفسیرِ ماجدی: ذوالقرنین کی شخصیت، دیوار کی تعمیر اور یاجوج وماجوج کا مافوق الفطرت پہلو

مولانا عبد الماجد دریابادی اپنی "تفسیرِ ماجدی" میں روایتی عائلی اور کلامی تفسیری روایت کی پاسبانی کرتے ہیں۔ وہ قرآنِ مجید کے غیبی اور غیر معمولی بیانات کو ان کے مروجہ مادی اور مافوق الفطرت حقائق کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید ذوالقرنین کے تذکرے کا آغاز ان الفاظ سے کرتا ہے:

"وَيَسْأَلُونَكَ عَن ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا"[13]

(ترجمہ: اور آپ سے لوگ ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں ابھی تمہارے سامنے ان کا کچھ ذکر پڑھ کر سناتا ہوں)

ذوالقرنین کی تاریخی شناخت کے حوالے سے مولانا عبد الماجد دریابادی روایتی اسلامی مفسرین کی پیروی کرتے ہوئے انہیں "سکندرِ یونانی" (Alexander the Great، متوفی 323 قبل مسیح) کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اسکندر کو ذوالقرنین (دو سینگوں والا) کہے جانے کی مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ اس کے تاج پر دو سینگ بنے ہوتے تھے، یا یہ کہ وہ مشرق و مغرب کا عظیم فاتح تھا۔ اپنے اس موقف کی تائید میں وہ کلاسیکی تفاسیر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں:

"المشہور انہ الاسکندر (البحر المحیط)، اسکندر الرومی (بیضاوی)، الاسکندر الذی ملک الدنیا (مدارک)، اسمہ سکندر (جلالین)، وجب القطع بان المراد بذی القرنین الاسکندر بن فیلقوس الیونانی (کبیر)"[14]

دیوار کی تعمیر اور یاجوج وماجوج کے معاملے میں تفسیرِ ماجدی کا موقف مافوق الفطرت اور آخرت کے غیبی نظام سے جڑا ہوا ہے۔ مولانا کے نزدیک یاجوج و ماجوج وسطی ایشیا کے وہ فتنہ پرور پہاڑی قبائل (سیتھیائی قومیں) تھے جن کے حملوں کو روکنے کے لیے ذوالقرنین نے قفقاز کے پہاڑی سلسلے میں لوہے اور پگھلے ہوئے تانبے سے ایک حقیقی سد (دیوار) قائم کی تھی۔[15]

تفسیرِ ماجدی کے مطابق یہ دیوار قربِ قیامت میں اللہ کے حکم سے ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور یہ قوم باہر نکل کر پوری دنیا میں فساد مچائے گی۔ مولانا کے نزدیک یاجوج وماجوج کا یہ ظہور اور دیوار کا ٹوٹنا ایک غیبی اور خارقِ عادت فتنہ ہے جو علاماتِ قیامت کا لازمی حصہ ہے، اور اس کا تذکرہ بائبل کی کتاب حزقی ایل میں بھی موجود ہے۔[16]

سر سید احمد خان: ذوالقرنین (چی وانگ ٹی) اور دیوارِ چین کا تاریخی وجغرافیائی تجزیہ

اس کے برعکس، سر سید احمد خان اپنی "تفسیر القرآن" میں معجزاتی اور مافوق الفطرت تعبیرات کو یکسر رد کرتے ہوئے خالصتاً سائنسی، تاریخی اور جغرافیائی منہج اختیار کرتے ہیں۔ وہ امام رازی اور دیگر روایتی مفسرین کی اس رائے کو سخت غلط قرار دیتے ہیں کہ ذوالقرنین سے مراد سکندرِ یونانی ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ سکندر نہ تو موحد (توحید پرست) تھا اور نہ ہی تاریخ میں اس کے کسی ایسی دیوار بنانے کا ثبوت ملتا ہے جو لوہے اور تانبے سے پگھلا کر بنائی گئی ہو۔[17]

سر سید احمد خان تاریخی شواہد کی بنیاد پر ذوالقرنین کی شناخت چین کے مشہور بادشاہ "چین شی ہوانگ" یا "جو چی وانگ ٹی" سے کرتے ہیں، جس نے 221 قبل مسیح میں چین کی مختلف ریاستوں کو متحد کر کے ایک مرکزی حکومت قائم کی تھی۔ سر سید کے نزدیک قرآن کے الفاظ "مغرب الشمس" (سورج ڈوبنے کی جگہ) سے مراد کوئی ماورائی چشمہ نہیں بلکہ ایک عام انسانی مشاہدہ ہے، جیسے خلیج بنگال یا سمندر کے کنارے کھڑے شخص کو سورج پانی کے اندر ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔[18]

سر سید کا سب سے بڑا تاریخی دعویٰ یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں مذکور "سدِ ذوالقرنین" دراصل دنیا کا مشہور عجوبہ "دیوارِ چین" ہے۔ وہ جغرافیائی نقشوں اور تاریخی کتب سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ چی وانگ ٹی نے تاتاری اور منگولی حملہ آوروں کے مسلسل فتنوں اور لوٹ مار سے اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے چین کی شمالی سرحد پر یہ عظیم دیوار تعمیر کروائی تھی، جس کے بعض حصوں میں لوہے اور تانبے کے مرکب کا استعمال کیا گیا تھا تاکہ اسے ناقابلِ تسخیر بنایا جا سکے۔[19]

تقابلی جائزہ: روایتی اور جدید (تاتاری / منگولی) نقطۂ نظر کا علمی موازنہ

تفسیرِ ماجدی اور تفسیر القرآن (سرسید) کے ان مناہج کا موازنہ علمِ کلام کے ایک بنیادی قضیے کو آشکار کرتا ہے، یعنی وحی کے بیانات کو مابعد الطبیعیاتی تناظر میں دیکھنا بمقابلہ انہیں خالص دنیاوی اور سائنسی تاریخ کے تابع کرنا۔

یاجوج وماجوج کی حقیقت کے بارے میں روایتی نقطۂ نظر (تفسیرِ ماجدی) انہیں ایک ایسی مافوق الفطرت اور عجیب الخلقت خصوصیات کی حامل قوم کے طور پر پیش کرتا ہے جو صدیوں سے ایک غیبی دیوار کے پیچھے قید ہے اور قربِ قیامت میں اس کا خروج کائنات کے طبعی نظام کے الٹ پلٹ ہونے کا سبب بنے گا۔ یہ کلامی موقف ایمان بالغیب اور معجزات کی لامتناہی شرعی قوت پر مبنی ہے۔

دوسری طرف، سرسید احمد خان اس مابعد الطبیعیاتی تصور کو "بے بنیاد کہانیاں اور داستانیں" قرار دے کر مسترد کرتے ہیں۔ ان کا واضح موقف ہے کہ یاجوج وماجوج کوئی عجیب الخلقت یا غیبی مخلوق نہیں بلکہ تاریخ کی جانی پہچانی وحشی خاندانی اقوام ہیں، یعنی شمالی چین اور منگولیا کے تاتاری اور منگول قبائل، جو قدیم زمانے میں لوٹ مار کے عادی تھے۔ سرسید کے نزدیک ان کا قیامت کے کسی غیبی فتنے سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک گزر چکا تاریخی واقعہ تھا جسے قرآن نے ایک عادل بادشاہ کی مثال کے طور پر پیش کیا۔[20]

اس علمی موازنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولانا عبدالماجد دریابادی قرآنی متن کی تشریح میں دینی زبان اور لغوی اشتقاق (مادہ 'اج' یعنی آگ کا شعلہ مارنا) کو بنیاد بنا کر واقعے کی ایمانی اور روایتی اعجاز پسندی کا دفاع کرتے ہیں، 21 جبکہ سرسید احمد خان قرآن فہمی کو جدید مغربی تاریخ اور مادی جغرافیے کے پیمانوں میں مقید کر دیتے ہیں۔ سرسید کی یہ کوشش اگرچہ اسلام کو جدید ذہن کے لیے قابلِ قبول بنانے کی ایک فکری جدوجہد تھی، مگر اس کے نتیجے میں قرآنی نصوص کے مابعد الطبیعیاتی پیغام اور علاماتِ قیامت کے متواتر تصور کو شدید علمی دھچکا پہنچتا ہے، جس کا تفسیرِ ماجدی نے نہایت مضبوطی اور کامیابی کے ساتھ ابطال کیا ہے۔

کلامی و منہجی تجزیہ

سورۃ الکہف کے کلیدی قصص—اصحابِ کہف کی طویل نیند، حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا فکری سفر، اور ذوالقرنین کی فتوحات مع یاجوج وماجوج—کا تفصیلی مطالعہ برصغیر کے دو مایہ ناز مفکرین کے درمیان محض لفظی یا تفسیری اختلاف کو ظاہر نہیں کرتا، بلکہ یہ علمِ کلام کے دو بالکل متضاد فلسفیانہ اور منہجی دھاروں کا پتا دیتا ہے۔ یہ تجزیاتی مطالعہ دراصل اس گہرے فکری معرکے کو آشکار کرتا ہے جو انیسویں اور بیسویں صدی میں مادہ پرستی اور جدید مغربی سائنس کے غلبے کے بعد مسلم دنیا میں برپا تھا۔ ذیل میں دونوں مفسرین کے کلامی مباحث کا اصولی اور منہجی نچوڑ پیش کیا جا رہا ہے۔

عقل بمقابلہ نقل کا دائرہ کار

تفسیرِ ماجدی اور تفسیر القرآن (سرسید) کے مابین کلامی مباحث کا سب سے مرکزی نقطۂ اختلاف عقل اور نقل کے دائرہ کار اور ان کی حاکمیت کا تعین ہے۔

سر سید احمد خان کے پورے تفسیری نظام کی عمارت "عقلیت پرستی" پر استوار ہے۔ ان کے نزدیک انسانی عقل ہی وہ حتمی کسوٹی ہے جس پر وحی کے احکام اور غیبی بیانات کو پرکھا جائے گا۔ وہ نقل (احادیث اور آثارِ صحابہ) کو وحیِ الٰہی کے فہم کے لیے غیر مشروط طور پر قبول نہیں کرتے، بالخصوص جب وہ روایات عقلِ انسانی یا مسلمہ سائنسی قوانین سے ٹکراتی ہوں۔ سرسید کے نزدیک اگر قرآن کی کسی آیت کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہو، تو اس آیت کی ایسی تاویل کرنا واجب ہے جو عقلِ سلیم کے مطابق ہو، کیونکہ خدا کا کلام کبھی عقل کے خلاف نہیں ہو سکتا۔[22]

اس کے بر عکس، مولانا عبدالماجد دریابادی کا منہج نقل کی حاکمیت اور عقل کی محدودیت کے اصول پر قائم ہے، جو کہ روایتی کلامی مکاتبِ فکر (اشاعرہ و ماتریدیہ) کا خاصہ ہے۔ مولانا دریابادی عقل کی اہمیت کے منکر نہیں ہیں، اور وہ خود مغربی فلسفے اور منطق کے ماہر ہیں، لیکن ان کے نزدیک عقلِ انسانی محدود ہے اور وہ مابعد الطبیعیاتی (Metaphysical) اور غیبی حقائق کا مکمل احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ تفسیرِ ماجدی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جہاں نصِ قطعی (قرآن) اور متواتر نقل (صحیح احادیث) موجود ہوں، وہاں انسانی عقل کا فرض ہے کہ وہ سرِ تسلیم خم کرے، نہ کہ اپنی محدود پرواز کی بنا پر الٰہی بیانات کی پُر پیچ تاویلات شروع کر دے۔[23] سورۃ الکہف کے قصص میں جہاں سرسید عقل کو حاکم بنا کر نصوص کا ظاہری مفہوم بدل دیتے ہیں، وہاں مولانا دریابادی عقل کو وحی کے تابع رکھ کر ایمان بالغیب کا دفاع کرتے ہیں۔

معجزات کے بارے میں دونوں تفاسیر کا بنیادی فلسفیانہ اور کلامی موقف

معجزات اور خارقِ عادت واقعات کی حقیقت اسلامی علمِ کلام کا ایک معرکہ آرا موضوع ہے۔ سورۃ الکہف کے معجزات کے بارے میں دونوں مفسرین کا فلسفیانہ موقف ان کے بنیادی عقائد کی عکاسی کرتا ہے:

سرسید احمد خان کا نیچری فلسفہ

سرسید احمد خان کا بنیادی کلامی فلسفہ یہ ہے کہ کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طبعی قوانین یعنی "قانونِ فطرت" کے تحت چل رہا ہے۔ وہ ایک مشہور کلامی اصول پیش کرتے ہیں کہ "نیچر (قانونِ فطرت) خدا کا فعل ہے اور قرآن خدا کا قول ہے، اور خدا کے قول اور فعل میں کبھی تضاد نہیں ہو سکتا۔"[24] چونکہ خدا کا قانونِ فطرت کبھی تبدیل نہیں ہوتا (ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً)، لہٰذا سرسید کے نزدیک کائنات میں کسی "معجزے" یا خارقِ عادت واقعے کا وقوع پذیر ہونا عقلاً اور شرعاً ناممکن ہے۔

اسی فلسفے کے تحت وہ سورۃ الکہف کے تمام معجزات کی مادی تعبیر کرتے ہیں؛ اصحابِ کہف کا 309 سال سونا ان کے نزدیک ایک کہانی ہے اور 'ضربنا علی آذانہم' محض بے خبری کا محاورہ ہے[25]، حضرت خضرؑ کوئی غیبی الہام والے فرشتہ صفت انسان نہیں بلکہ ایک عام تجربہ کار سماجی راہنما ہیں[26]، اور یاجوج ماجوج کوئی قربِ قیامت کی ماورائی مخلوق نہیں بلکہ تاتاری قبائل ہیں۔[27] سرسید ہر معجزے کو استعارہ بنا کر پیش کرتے ہیں تاکہ اس کا مافوق الفطرت پہلو ختم ہو جائے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کا روایتی کلامی موقف

تفسیرِ ماجدی میں معجزات کا جو تصور پیش کیا گیا ہے، وہ مابعد الطبیعیاتی حقائق پر غیر متزلزل ایمان کا مظہر ہے۔ مولانا دریابادی کا کلامی موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے اسباب کا پابند نہیں ہے بلکہ وہ "خالقِ اسباب" ہے۔ طبعی قوانین اور سائنسی اصول اللہ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے عارضی اور مغلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس کے لیے چاہے، ان طبعی قوانین کو معطل کر سکتا ہے۔

مولانا دریابادی کے نزدیک اصحابِ کہف کا تین صدیوں تک بغیر کھائے پیے سونا، یا حضرت خضرؑ کو علمِ تکوین (غیبی حقائق کا علم) عطا ہونا، اللہ کی اسی قدرتِ مطلقہ کی مادی نشانیاں ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ سرسید کی محاوراتی اور استعاراتی تاویلات کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآنی نصوص کو ان کے حقیقی اور لغوی معانی سے پھیر کر زبردستی سائنس کے سانچے میں ڈھالنا قرآن فہمی کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے۔[28] معجزہ عقل کے مخالف نہیں ہوتا، بلکہ عقل سے ماورا ہوتا ہے، اور عقل کا عجز ہی معجزے کی اصل حکمت ہے۔

حاصلِ کلام:

منہجی اعتبار سے، سرسید احمد خان کا کلامی موقف معذرت خواہانہ (Apologetic) اور جدیدیت سے مرعوب ہے، جہاں وہ اسلام کو مغربی سائنسی افکار کے سامنے قابلِ قبول بنانے کے لیے معجزات کی تاویل کرتے ہیں۔ اس کے بر عکس، مولانا عبدالماجد دریابادی کا منہج جارحانہ، منطقی اور دفاعی ہے، جہاں وہ جدید سائنسی حقائق اور بائبل کے حوالوں کو خود روایتی اسلامی عقائد کی سچائی ثابت کرنے کے لیے بطورِ خادم استعمال کرتے ہیں، جس سے روایتی کلامی اسلوب کو جدید دور میں ایک نیا علمی وقار حاصل ہوتا ہے۔

نتائج بحث

اس تحقیقی وتقابلی مطالعے سے درج ذیل اہم اور بنیادی نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1. تفسیرِ ماجدی اور تفسیر القرآن کا تقابل یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لیے محض انسانی عقل اور مادی سائنس پر انحصار کرنا گمراہی کا سبب بن سکتا ہے۔ مولانا دریابادی نے یہ واضح کیا ہے کہ عقل وحی کی تابع ہے، جبکہ سرسید احمد خان نے عقل کو وحی پر حاکم کرنے کی کوشش کی جس سے قرآنی نصوص کی اصل روح مجروح ہوئی۔
2. سرسید کا نظریہ فطرت (Naturism) معجزات اور خارقِ عادت واقعات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے اور انہیں محض تمثیل اور استعارہ قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس، مولانا عبد الماجد دریابادی کا کلامی استدلال اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالقِ اسباب ہے اور اسباب کا محتاج نہیں؛ لہٰذا اصحابِ کہف کا سونا یا خضرؑ کا علمِ غیب عین برحق اور قدرتِ الٰہیہ کا کامل ظہور ہے۔
3. سرسید احمد خان نے ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کے واقعات کو خالصتاً تاریخی اور جغرافیائی حدود (دیوارِ چین اور تاتاریوں) تک محدود کر دیا، جس سے ان واقعات کا کلامی اور علاماتِ قیامت والا پہلو ختم ہو گیا۔ تفسیرِ ماجدی نے مستند حوالوں سے ثابت کیا کہ یہ واقعات تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ مابعد الطبیعیاتی (Metaphysical) اہمیت کے حامل ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔
4. اس مقالے کا حتمی نتیجہ یہ ہے کہ جدیدیت (Modernism) کے دباؤ میں آکر قرآنی عقائد کی معذرت خواہانہ تاویل پیش کرنا علمی دیانت کے خلاف ہے۔ تفسیرِ ماجدی نے جس جارحانہ اور منطقی انداز میں جدید سائنسی ذہن کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے، وہ ثابت کرتا ہے کہ روایتی اسلامی علم کلام آج بھی ہر دور کے فکری چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔

مصادر ومراجع

1۔ القرآن الکریم، سورۃ الکہف 18:9۔

2۔ القرآن الکریم، سورۃ الکہف 18:25۔

3۔ اسماعیل بن عمر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998)، ج:5، ص:131۔

4۔ قاضی محمد بن عبد اللہ ابو بکر ابن العربی، احکام القرآن، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع سوم 2003)، ج:3، ص:220۔

5۔ سید احمد خان، تفسیر القرآن، (لاہور: رفاہِ عام سٹیم پریس، 1880 / جدید اشاعت)، ج:6، ص:10۔

6۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، ج:6، ص:10۔

7۔ القرآن الکریم، سورۃ الکہف 18:65۔

8۔ عبد الماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، (لاہور: تاج کمپنی، طبع جدید)، سورۃ الکہف کے حواشی، ص:643۔

9۔ دریابادی، تفسیر ماجدی، ص:643۔

10۔ سید احمد خان، تفسیر القرآن،، ج:6، ص:62۔

11۔ سید احمد خان، تفسیر القرآن، ج:6، ص:62۔ (سرسید نے اس مقام پر تفسیرِ کبیر کے بعض اقوال کا سہارا لے کر اسے معاشرتی اقدام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے)۔

12۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، ج:6، ص:62۔

13۔ القرآن الکریم، سورۃ الکہف 18:83۔

14۔ عبد الماجد دریابادی، تفسیر ماجدی (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، طبعِ جدید)، سورۃ الکہف، ص:645۔ (مولانا دریابادی نے ان تمام مفسرینِ کرام کے اصلی عربی اقتباسات کو یکجا کر کے روایتی موقف کی توثیق کی ہے)۔

15۔ دریابادی، تفسیر ماجدی، ص:645۔

16۔ایضاً،ص:646۔

17۔سرسید احمد خان، تفسیر القرآن،ج:6،ص:80۔

18۔سرسید، تفسیر القرآن،ج:6،ص:80۔

19۔ایضاً،ص:80-82۔(سرسید نے اس دیوار کے طول وعرض اور اس میں تاتاری قبائل کے مابین ہونے والے معرکوں کا تفصیلی جغرافیائی نقشہ پیش کیا ہے)۔

20۔سرسید، تفسیر القرآن،ج:6،ص:86-87۔

21۔دریابادی، تفسیر ماجدی،ص:646۔

22۔محمد عارف،"سرسید احمد خان کے اصولِ تفسیر کا تجزیاتی مطالعہ "،Scholar Insight Journal،ج:2،شمارہ:2(2024)،ص:48۔

23۔مس ناصحہ افتخار اور ڈاکٹر کریم داد،" A Critical And Comparative Analysis Of The Manahij Of 'Tafsir Majidi' And 'Tafsir Tazkir Ul Quran'"،Journal of Positive School Psychology،ج:7،شمارہ:3(2023)،ص:1315۔

24۔ڈاکٹر نسیم اختر اور ڈاکٹر سلمان عارف،""Socio-political and Religious Contributions of Sir Syed Ahmad Khan"،Al-Āfāq Islamic Research Journal،ج:4،شمارہ:1(2024)،ص:160۔

25۔سرسید احمد خان، تفسیر القرآن،ج:6،ص:10۔

26۔سرسید، تفسیر القرآن،ج:6،ص:62۔

27۔ایضاً،ص:86۔

28۔عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی،سورۃ الکہف،ص:643۔